حقوقِ طلاق اور حضانت

Rights of Divorce and Child Custody



نعمان نیئر کلاچوی

حقوقِ طلاق اور حضانت

Rights of Divorce and Child Custody

نعمان نیئر کلاچوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام مقالہ	حقوقِ طلاق اور حضانت
مصنف	نعمان نیرؔ کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی،ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	اگست،2025

فہرست

پیش گفتار

فقہاء نے دین کو فن بنا دیا۔ محدثین نے دین کو تاریخ بنا دیا اور صوفیاء نے دین کو لطیفہ بنا دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دین صرف ہدایت ہے، صرف ہدایتِ خداوندی۔ زندگی کے ایک ایک لمحے میں خدا قادر مطلق کی کامل عبودیت۔ یہ ہدایت انسان کیلئے روئے زمین پر جو لوگ لاتے رہے ہیں اصطلاح میں اُنہیں انبیاء کہتے ہیں۔ انبیاء خدا کی طرف سے دی ہوئی ہدایت کو اپنے جیسے انسانوں تک پہنچاتے ہیں اور دریں اثناء ذرا بھر ردّوبدل نہیں کر سکتے چنانچہ شریعت سازی کا بلا شرکتِ غیرے اختیار خدا کے پاس ہے۔ ہدایت یا شریعت سازی پر قدرت تو خود انبیاء تک نہیں رکھتے چہ جائیکہ ہما شما شریعت سازی شروع کر دیں۔

ہر دَور کا نبی اُس دَور کا مجتہد اعظم ہوتا ہے اور وہ متبعین کیلئے خدا کی طرف سے دی گئی ہدایت کی توضیح و تشریح کرتا رہتا ہے۔ نبی کی رحلت کے بعد یہی کام اُمت کا ہر اہل الذکر یعنی ہدایت کو سمجھنے کی اہلیت رکھنے والا شخص کرتا رہتا ہے۔ یہ جدوجہد جاری رہتی ہے اور وقت کے ساتھ پیدا ہونے والے مسائل اِنہی اہل الذکر مجتہدین کی وساطت سے حل ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بالکل یہی حال اُمتِ مسلمہ کا بھی رہا ہے۔ جب تک رسالتمآب ﷺ اُمت کے درمیان بذاتِ خود موجود تھے، آپ اجتہاد کرتے رہے۔ پھر آپ کی رحلت کے بعد یہی جہد آپ کے

ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) کی وساطت سے جاری رہی اور یوں یہ سلسلہ قریباً پہلی تین صدیوں تک پوری آب و تاب سے جاری رہا۔

مصیبت اُس وقت پیدا ہوئی جب مسلمان اُولی الأمر روایتی بادشاہی اختیار کر چکے اور خود کو دینی جکڑ بندیوں سے آزاد کرنے کیلئے اپنے ساتھ دربار میں مفتی قاضی بٹھانے لگے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب دین کُلی طور پر مفتیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا، نہ صرف اتنا بلکہ اُن مفتیوں کی آراء (فتاویٰ) کو سرکاری حیثیت سے پوری سلطنت کی عوام پر مسلّط کر دیا گیا۔ یہی وہ دَور تھا جب دین میں باقاعدہ ایک دقیق قانونی فن یعنی "فقہ" پیدا ہوا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ فقہ کے ماہرین دربار پہنچ گئے ہیں اور وہاں ملوک اُن کے ناز و نیاز اُٹھانے لگے تو ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اُس کا بیٹا مفتی بن جائے۔ یوں فقاہت ایک باقاعدہ سرکاری عہدے کی حیثیت سے اُمت میں مروج ہو گئی۔ دین کے معاملے میں اعلیٰ جہد کرنا افضل ترین عبادت ہے اور اِس عمل کو سرانجام دینے والوں کیلئے خدا نے قرآن میں محسنین کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(سورہ العنکبوت۔ آیت 69)

"جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُنہیں اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور یقیناً اللہ محسنین (اعلیٰ نیکی کرنے) والوں کے ساتھ ہے۔"

یہاں مجاہدہ کا عمومی تاثر خدا کی طرف سے عطاء کردہ ہدایت میں غور و فکر کرنا ہے۔ اِس کو ہم جسمانی جہد سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ الفاظ میں حصر کا تاثر موجود نہیں پس خدا کی راہ میں معمولی سے معمولی علمی یا جسمانی جہد بھی اِسی زمرے میں آتی ہے۔

رسالتمآب ﷺ سے قبل یہ اِمکان باقی رہتا تھا کہ شاید لوگوں کی ہدایت کیلئے خدا کسی کو کھڑا کردے لیکن آپ ﷺ کے بعد یہ انتظام اپنے انجام کو پہنچ گیا اور اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، کسی بھی صورت میں۔ چنانچہ اِس معاملے میں کسی بھی ابہام کی گنجائش موجود نہیں۔ جب تک آپ ﷺ لوگوں میں موجود تھے، خدا کی عطاء کردہ ہدایت یعنی قرآن کی توضیح و تشریح کرتے رہے اور جہاں جہاں اور جب جب ضرورت پڑتی آپ اجتہاد کی وساطت سے اُمت کیلئے عملی نمونے پیش کرتے رہے اور اِس پوری جدوجہد کا آپ نے اُمت سے کوئی معاوضہ یا اُجرت طلب نہیں کی۔ سلامتی ہو آپ ﷺ پر۔

آپ ﷺ کی رحلت کے بعد یہی جہد آپ کے ساتھی سرانجام دیتے رہے اور یوں دین ایک زندہ و متحرک توانائی کی طرح مؤمنین کی رگ رگ میں دوڑ رہا تھا۔ علمی جدوجہد کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کے بعد کی نسل میں بھی ویسے ہی جاری رہا جیسے رسالتمآب ﷺ کے زمانے سے جاری تھا۔ سلامتی ہو اُن سب پر۔

یہی وہ زمانہ (تبع تابعین کا دَور) تھا کہ جب کہا جانے لگا کہ اَجی بس بہت ہو گیا اجتہاد۔ اب اجتہاد کا دروازہ بند کر دینا چاہیئے اور جتنی کچھ جہد دین کو سمجھنے میں ہو چکی، یہی اب اُمت کیلئے کافی ہے اور اب مزید کوئی اجتہاد نہیں ہو گا۔ بس یہی وہ مصیبت تھی جس نے دین کو فقہاء کے دقیق قانونی فن، محدثین کی تاریخی روایات اور صوفیاء کے لطائفِ باطنیہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

خدا ہمارے حال پر رحم کرے، ہم نے ایک زندہ و متحرک اور ہر دَور کے اُوپر تیرنے والے دین کو بیتال پچّیسی کی کہانیوں میں بدل دیا۔ اسلام آنے والے زمانوں کا دین ہے۔ اسلام اعلیٰ ترین شعور رکھنے والے انسانوں کا دین ہے۔ اسلام دکھی دلوں کا واحد سہارا اور انسانی ذات کی اکلوتی توجیہ پر مبنی دین ہے، لیکن صد افسوس کہ آج جس طرح کا اسلام ہمارے گرد و پیش میں پریکٹس ہو رہا ہے وہ گوتم بدھ کے اشٹانگ مارگ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔

ایک مؤمن متقی انسانی اپنی ذاتی، گھریلو اور معاشرتی زندگی میں کس طرح کا رویہ اختیار کرے، بس اِسی کے گرد گھوم رہا ہے ہمارا دین اسلام۔ قرآن جو قیامت تک آنے والے ہر انسان کیلئے ایک کامل طرزِ حیات (Complete Life Style) ہے، آج زردہ اور پلاؤ کی دیگوں پر پھونکنے کی چیز بن کے رہ گیا۔ کوئی اِس کی آیات سے تعویز گنڈے بنا رہا ہے تو کوئی کہتا ہے کہ اِس کو براہِ راست نہ پڑھو گمراہ ہو جاؤ

گے اور کوئی کہتا ہے کہ اِس کے الفاظ صرف منہ زبانی دہرا لینے سے ابدی نجات کھری ہو جاتی ہے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

آج ہمارا نوجوان طبقہ مروجہ دین کا مذاق اُڑاتے ہوئے بے دین اور خدا بیزار ہو رہا ہے جبکہ ہمارے مفتی و مُلّا کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے کیلئے پہلے سولہ علوم پر دسترس حاصل کرو یا کم از کم کسی مولوی کے مدرسہ میں داخلہ لے لو تا کہ تم دین سیکھ لو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ کبھی انسان کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے اور میل ملاپ سیکھنے کیلئے بھی کسی مدرسہ یا سکول گیا ہے؟، لیکن نہیں جب دین کی بات آئے تو یہ قبضہ گروپ دین اسلام کا واحد ٹھیکیدار بن کے لٹھ لیکر کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ ایسے نواب طبیعت لوگ ہیں کہ کہتے ہیں بھلے کوئی دین ترک کر تا ہے تو کر لے، ہمیں کوئی مسئلہ نہیں لیکن دین وہی سیکھا جائے گا جو ہم لوگ سکھائیں گے ورنہ کوئی بھی نہ سیکھے، ہمارا دھندہ تو چل ہی رہا ہے۔

میری یہ خواہش نہیں بلکہ ایک درد ہے کہ کاش وہ وقت مَیں دیکھ لوں جب ہمارے معاشرے کے ہر بچے، ہر نوجوان مرد اور عورت اور ہر عمر رسیدہ کے ہاتھ میں صرف قرآن ہو اور وہ جہاں اُٹھیں بیٹھیں اور بولیں تو بس اِسی قرآن کو منہ سے نکالیں۔

زوجین کے معاملات جو اِس وقت پوری طرح سیکولر فوجداری قوانین کی زد میں ہیں، میری دیرینہ خواہش تھی کہ اِن پر ایک نئے سرے سے قرآنی بنیادوں کو

مدِ نظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے اور اِنہیں ازِ سرِ نو خالصتاً قرآنی بنیاد پر مرتب کیا جائے تاکہ جدید دَور کا ذہن سیکولر قوانین سے جان چھڑا کر خالص قرآنی قوانین کی اتباع کرنے لگے کیونکہ مؤمن نہ سہی بظاہر نام کے مسلمان تو ہم ہیں ہی۔

پس اِسی کوشش کا مطالعہ آپ اگلے صفحات میں کریں گے۔ مَیں نے کوشش کی کہ فقہاء کی وضع کردہ قدیم اصطلاحات کی بجائے خالص قرآنی اصطلاحات پیش کروں، علاوہ ازیں قرآن نے مرد اور عورت کو جو طلاق کے حقوق دیئے ہیں اُن کو ایک نئے سرے سے قرآن کی روشنی میں واضح کروں۔

میری یہ کوشش خالصتاً میری قرآنی جہد ہے۔ نہ تو اِسے کوئی خدائی تائید حاصل ہے اور نہ ہی یہ کوئی مستقل حکم (Permanent Authority) ہے۔ قرآن ایک تر و تازہ اور جاری چشمہِ دانش ہے پس جو کوئی بھی براہِ راست اِس چشمے سے استفادہ کر سکتا ہے تو بسم اللہ۔ وہ بھی اپنی جہد پیش کرے ہم ضرور غور کریں گے۔ علاوہ ازیں روایات اور آثار کا معاملہ کافی دقیق اور پیچیدہ ہے۔ ایک روایت کسی ایک مقام پر صحیح السند ثابت ہو جاتی ہے تو دوسرے مقام پر اُسی روایت میں کوئی راوی مجہول یا مدلس نکل آتا ہے۔ پس اگر کسی خبرِ واحد پر ہمارا علمی اطمینان ہو جائے تو ہم اپنے فہم کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

فقیر

نعمان نیئرؔ کلاچوی 10 اگست، 2025

طلاقِ شرعی

خدا تعالیٰ پاکستانی مسلمانوں پر رحم کرے۔ ایک تو ہم دین سیکھتے نہیں، دوسرا اگر ہم میں سے کوئی دین سیکھ بھی جاتا ہے تو وہ مسلمان ہونے کی بجائے خود کو کسی خاص مسلک میں قید کر لیتا ہے۔ یہ بات تو سمجھ آجاتی ہے کہ مولوی حضرات کسی خاص مسلک کے مدرسے میں پڑھ کر مجبوراً تقلید اختیار کر لیتے ہیں لیکن یہ بات تو مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں آتی کہ عوام بیچاری پر مسلک پرستی اور تقلید کیوں مسلّط کر دی جاتی ہے؟۔ آخر ایک عام مسلمان پر جسے دین کی کوئی خبر تک نہیں آخر کیوں کوئی مخصوص مسلک تھوپ دیا جائے اور اُس عام نے آدمی کب اور کہاں یہ حلف لیا کہ مَیں فلاں مسلک کا پابند ہوں؟۔ یہ تو نِری زیادتی ہے کہ عوام کو کسی خاص مسلک کا پابند کر دیا جائے۔

خیر ایک مسلمان کا سب سے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ وہ بہر صورت خود کو دینی لحاظ سے تعلیم یافتہ کرے یا کم از کم اتنا انتظام تو لازمی کر لیا جائے کہ گھر میں ایک فرد براہِ راست قرآن و سنت کی سمجھ رکھتا ہو۔ خدا تعالیٰ نے روزِ آخرت ہم سے یہ نہیں پوچھنا کہ تم نے کونسا فرقہ اختیار کر رکھا تھا بلکہ یہ ضرور پوچھنا ہے کہ جب میری ہدایت تم تک پہنچ چکی تھی تو تم نے اُسے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کس قدر کوشش کی تھی۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر اِس وقت ہمارے معاشرے میں کسی ایک مسئلے نے گھر کے گھر اُجاڑ رکھے ہیں تو وہ دراصل طلاق کا ایسا غلط طریقہ ہے جس کی کبھی اصلاح کی کوشش نہ حکومتی سطح پر ہو سکی اور نہ ہی ہمارے علماء نے کبھی مسجد و منبر پر اِس کے متعلق کوئی رہنمائی کی ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام کی بنیاد ہی نکاح کا ادارہ ہے کیونکہ یہی ادارہ ہی زمین پر انسان پیدا کرتا ہے اور اِسی ادارے سے ہی معاشرہ بنتا ہے اور اِسی معاشرہ کو سدھارنے کیلئے خدا تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کر کے ہدایت کا انتظام کرتا رہا ہے۔ پس جس طرح نکاح مذاق نہیں بالکل اِسی طرح طلاق بھی مذاق نہیں ہے اور جس طرح نکاح کا ایک باقاعدہ طریقۂ کار ہے بالکل اِسی طرح طلاق کا بھی ایک طریقۂ کار ہے۔ چنانچہ اگر طلاق غلط طریقے سے جاری کی جائے تو جس طرح نکاح کسی راہ چلتی عورت کو پکڑ لینے سے منعقد نہیں ہو جاتا بالکل ایسے ہی غصے میں آکر بیوی کو طلاق طلاق کہہ دینے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اِسی طرح نشے کی حالت میں اور جبر یعنی زبردستی کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

یہ قرآن کی تاکید ہے کہ طلاق بالعزم دی جائے گی یعنی طلاق دینے سے قبل پختہ ارادہ کر لیا جائے۔ اِسی طرح غصے یا محض کسی وقتی نفسیاتی عارضے میں دی گئی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ پس اگر غصے میں نکاح منعقد نہیں ہوتا تو طلاق کیسے واقع ہو جائے گی؟۔

یہ ساری باتیں ہر مسلمان مرد اور عورت کو معلوم ہونی چاہئیں۔ یہ کوئی طریقہ نہیں کہ سارا کچھ مقامی مولوی پر تھوپ کر خود من مانی زندگی گزاری جائے اِس اُمید پر کہ وقت پڑنے پر مولوی صاحب مسئلہ حل کر دے گا۔ پس ضروری ہے کہ یہاں طلاق کی تمام شرائط بیان کر دی جائیں تاکہ ایک عام مسلمان خدانوبت نہ لائے طلاق کے وقت کسی تذبذب کا شکار نہ رہے۔

طلاق کی تین بنیادیں شرائط ہیں جس کے بغیر طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔ پہلی شرط عزم۔ دوسری حالتِ طُہر۔ تیسری دو گواہ۔

1: عــزم

طلاق کی بنیادی شرط عزم یعنی پختہ ارادہ ہے یعنی وہ فیصلہ جس سے بیوی بھی آگاہ ہو اور خود شوہر بھی قلبی اطمینان حاصل کر چکا ہو ورنہ ایک سیکنڈ میں اچانک طلاق طلاق کہہ دینے سے بیوی پر تو قیامت ٹوٹ جائے گی لیکن شرعی لحاظ ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ اسلامی نظم کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اِس ذلیل حرکت پر شوہر کو زبردست جسمانی سزا اور تین ماہ قید کی سزا سنا دے تاکہ ایسے بددماغ کا دماغ ٹھکانے لگ جائے۔ عزم کی شرط خود قرآن سے ثابت ہے۔ ملاحظہ کریں۔

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔(سورہ البقرہ۔ آیت 227)

اور اگر تم نے طلاق کا پختہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو خدا تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

یعنی تم صرف بیوی سے ناحق جان چھڑانے کیلئے طلاق دے رہے ہو یا کوئی حقیقی مجبوری ہے، بھلے تمہاری بیوی تمہاری نیت کی خبر نہیں رکھتی لیکن خدا تعالیٰ خوب واقف ہے کہ تم نے کس نیت سے طلاق دی۔ اِس لئے طلاق دینے والے کو بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ کہیں اپنی عورت کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر رہا۔ طلاق کی بنیادی شرط ہی یہی ہے کہ مرد پورے اطمینان سے یہ فیصلہ کر لے کہ اُسے اب اپنی عورت کے ساتھ نہیں رہنا۔ پس اگر غصے یا کسی وقتی نفسیاتی مسئلہ کے سبب مرد طلاق دے بھی دے تو ایسی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی کیونکہ نکاح کا ادارہ مذاق نہیں ہے کہ مرد کے صرف ایک لفظ کہہ دینے سے ٹوٹ جائے۔ یہ نکتہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے۔

2: حالتِ طُہر میں طلاق

جیسا کہ مَیں عرض کر چکا کہ اسلام میں نکاح کا ادارہ ہی پورے اسلامی نظم کی بنیاد ہے بالکل ایسے ہی اِس ادارے کو تحلیل کرنا یعنی طلاق دینا بھی اسلامی نظم کیلئے ایک بہت بڑا دھچکا ہے کہ اِس عمل سے صرف دو لوگ براہِ راست متاثر نہیں ہوتے بلکہ دو خاندان یا متعدد خاندان نفسیاتی اذیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اِس لئے یہ کام کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے عزم یعنی باقاعدہ پختہ ارادے کو بنیادی شرط بتایا ہے۔ علاوہ ازیں طُہر کی حالت سے مراد یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اُس وقت طلاق دے جب عورت حیض سے فراغت حاصل کر کے پاکی کی حالت میں آ چکی ہو، نہ

صرف اتنا بلکہ اِس طہر میں بیوی سے مباشرت بھی نہ کی ہو ورنہ قانوناً طلاق واقع نہیں ہو گی۔ دلیل یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ ابن عمرؓ کے معاملے میں یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ فَإِذَا طَهُرَتْ، فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَنْ يُجَامِعَهَا أَوْ يُمْسِكْهَا یعنی جب وہ پاک ہو جائے تو مباشرت کرنے سے پہلے اِسے طلاق دیدے یا اِسے اپنے پاس رکھے۔ یعنی صرف حالتِ طہر کافی نہیں بلکہ حالتِ طہر کے ساتھ ایسی حالت بھی ضروری ہے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ آگے اِس روایت کی تفصیل آرہی ہے۔

اِس شرط کی عمومی منطق یہی سمجھ آتی ہے کہ حالتِ حیض عورت پر ایک جسمانی اور نفسیاتی اذیت کا زمانہ ہوتا ہے اور اِس زمانے میں عورت چونکہ پریشان حال ہوتی ہے اِس لئے انتظار کرنا اخلاقی طور پر درست سمجھا گیا کہ عورت جب اِس اذیت سے باہر نکل آئے تو پھر علیحدگی کا معاملہ طے پائے۔ علاوہ ازیں حالتِ طہر میں مباشرت نہ کرنے کی بھی یہی حکمت سمجھ آتی ہے کہ جب علیحدگی کا باقاعدہ اِرادہ کر لیا ہے تو اب اخلاقی طور پر بیوی سے مجامعت درست نہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ طلاق کے بعد فوری طور پر مطلقہ کی عدت شروع ہو جاتی ہے اِس لئے اس حساب سے طلاق دینے کا موزوں وقت حالتِ طہر ہی ہو سکتا تھا۔ طہر کی حالت میں طلاق کی دلیل خود قرآن سے معلوم ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ۔

اے نبی ﷺ! جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دو تو پھر عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔(سورہ الطلاق۔ آیت 1)

طلاق کے بعد عدت کا کُل زمانہ چونکہ تین حیض ہے اِس لئے عدت صرف حالتِ طہر میں ہی شروع ہو سکتی ہے اور اِس کیلئے ضروری ہے کہ طہر کی حالت میں ہی طلاق دی جائے۔ ملاحظہ کریں۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔

اور مطلقہ عورتیں صرف تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔

(سورہ البقرہ۔ آیت 228)

تین حیض تک کی مدت صرف اُسی صورت ممکن ہو سکتی ہے جب مرد عورت کو صرف طہر کی حالت میں طلاق دے ورنہ اگر حیض کی حالت میں طلاق دی جائے تو مزید یا تو دو حیض بن جاتے ہیں یا پھر چار چنانچہ تین حیض صرف اُسی صورت میں ممکن ہیں جب عورت پاکی کی حالت میں ہو۔یعنی اگر عورت حیض کی حالت میں ہو تو سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی اور یہ کسی مفتی یا فقیہ کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ خود رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔ ملاحظہ کریں۔

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ ، حدثنا أَبِي ، حدثنا عُبَيْدُ اللَّهِ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: طَلَّقْتُ امْرَأَتِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حَائِضٌ، فَذَكَرَ ذَلِكَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فقَالَ: " مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيَدَعْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرَى، فَإِذَا طَهُرَتْ، فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَنْ يُجَامِعَهَا أَوْ يُمْسِكْهَا، فَإِنَّهَا الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ" ۔

عبد اللہ بن نمیر نے ہمیں حدیث بیان کی، کہا ہمیں عبید اللہ نے نافع سے حدیث بیان کی، اُنہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اپنی بیوی کو جب وہ حیض کی حالت میں تھی، طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ نے فرمایا: "اُسے حکم دو کہ بیوی سے رجوع کرے پھر اُسے چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اُسے دوسرا حیض آئے۔ اُس کے بعد جب وہ پاک ہو جائے تو مباشرت کرنے سے پہلے اِسے طلاق دیدے یا اِسے اپنے پاس رکھے۔ بلاشبہ یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِس کے مطابق عورتوں کو طلاق دی جائے۔

(رواہ مسلم۔ترقیم شاملہ۔3654)

رسول اللہ ﷺ کے فتویٰ کے بعد کسی کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟۔ احادیث کی کتب میں یہ واقعہ نہایت معروف ہے اور تمام اُمت رسول اللہ ﷺ کے اِس فیصلے کو سنداً صحیح مانتی ہے لیکن جب عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو عموماً مسلک پرست علماء حیض میں دی گئی طلاق کو جاری کر دیتے ہیں اور یوں ایک طرف قرآنی حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے فتویٰ کے خلاف اپنا ذاتی فتویٰ بھی نافذ کر دیتے ہیں۔

حیض کی حالت میں طلاق کا وقوع سب سے بڑا مسئلہ وہی پیدا کرتا ہے جس کا تذکرہ ہم کر آئے ہیں کہ اِس طرح مطلقہ کی تین قروء عدت ہی پوری نہیں ہوتی کہ اگر جاری زمانہ کو پہلا حیض شمار کیا جائے تو آئندہ صرف دو مواقع حیض کے پیدا ہوتے ہیں جبکہ اگر طلاق جاری کر کے عورت کو پاک ہونے کا وقت دیا جائے تو پھر جاری حیض کے زمانے کے بعد تین مزید حیض شمار کئے جائیں تو یہ کُل چار حیض بن جاتے ہیں جو صریحاً قرآنی حکم کے خلاف ہیں۔ لیکن کیا کریں یہاں حال یہ ہے کہ علماء صرف اپنا مسلک تو بچا لیتے ہیں لیکن قرآن و سنت کو قربان کر دیتے ہیں۔

چنانچہ درج ذیل حدیث میں ہم جان چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حیض میں دی گئی طلاق کو جاری نہیں کیا اور اُسے فوری رجوع کرنے کا حکم دیا لیکن ہمارے مولوی صاحبان بضد ہیں کہ حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ پس ہم نے قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا کہ طہر کی حالت میں ہی

طلاق دی جائے گی اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دیتا ہے تو وہ سرے سے واقع ہی نہیں ہو گی اور خدا رسول کا یہی فتویٰ ہے۔

3: دو گواہوں کی شرط

طلاق دینے کی تیسری بنیادی شرط موقع پر دو گواہوں کا ہونا ہے۔ پس جس طرح نکاح کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور نکاح کو زنا سے صرف خارجی گواہی ہی ممیز کرتی ہے بالکل ایسے ہی طلاق کیلئے بھی دو گواہ ضروری ہیں اور یہ شرط خود قرآن نے عائد کی ہے۔ ملاحظہ کریں۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ - (سورہ الطلاق۔ آیت 2)

پس جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اُنہیں دستور کے مطابق رکھ لو یا اُنہیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور دو معتبر آدمی اپنے میں سے گواہ کر لو اور اللہ کیلئے گواہی پوری دو۔

یعنی طلاق دی جائے تو ساتھ میں دو گواہوں کی موجودگی میں دی جائے ورنہ طلاق واقع ہی نہیں ہو گی۔ یہ تو قرآن کا واضح حکم ہے پس اِسے مستحب یا مباح کہنا ایک واضح قرآنی حکم کی سخت تخفیف ہے۔ ہمارے علماء کو خدا سے ڈرنا چاہیئے جب وہ ایسی طلاق کو جاری کر دیتے ہیں جو کسی مرد نے بند کمرے میں اپنی عورت پر مسلّط

کر دی ہو۔یہی مولوی نکاح کے معاملے تو سب سے پہلے گواہ طلب کرتے ہیں لیکن طلاق کے معاملے میں ایک مرد کے محض ذاتی بیان کو کافی سمجھ کر ایک عزت دار سہاگن کا گھر اُجاڑ دیتے ہیں۔ پس ایسی طلاق جس میں باقاعدہ دو گواہ موجود نہ ہوں سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔ یہ تیسری اور آخری بنیادی شرط ہے طلاق کی، علاوہ ازیں آگے کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن کے متعلق مزید وضاحت ضروری ہو جاتی ہے یعنی طلاق دینے کا شرعی طریقہ جس کے تحت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ

طلاق دینے کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو عموماً ہمارے ہاں رائج ہے اور جس پر عمل کرنے کے بعد یا تو ہمیں حلالہ کی لعنت سے گزرنا پڑتا ہے یا پھر کسی اہلِ حدیث مولوی کے آگے منت سماجت کرنی پڑی ہے کہ حضرت خدارا ہمارا کچھ کریں۔ ہم سے تو بہت بڑی غلطی ہو گئی اور ہمارا مولوی تو اب ہمارا گھر اُجاڑنے پر تُلا ہوا ہے چنانچہ آپ ہی کچھ کرم فرمالیں۔ مولوی اِس لئے گھر اُجاڑنے پر تُلا ہوا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اُس نے اپنے مسلک کی مخالفت نہیں کرنی حتیٰ کہ کوئی سر پھرا مسلمان اسلام بھی چھوڑنے کیلئے تیار ہو جائے لیکن مولوی صاحب نے اپنے فتویٰ میں کوئی ترمیم نہیں کرنی گویا"زمیں جنبد تو جنبد نہ جنبد گل محمد"۔

عموماً ہمارے ہاں جب کوئی مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اِس عمل کیلئے غصے کو بنیادی شرط سمجھ لیتا ہے چنانچہ مدرسہ میں طالبعلمی کے زمانے سے لیکر آج تک مَیں نے کوئی ایک کیس بھی طلاق کا ایسا نہیں دیکھا جس میں دل جمعی اور قلبی اطمینان کا شائبہ تک موجود ہو بلکہ ہر کیس میں یہی رولہ ہوتا تھا کہ شوہر غصے میں آیا اور بیوی کو تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔ حالانکہ ہم جان چکے کہ غصے میں تو سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں ہمارے ہاں عموماً یہ عقیدہ رواج پا گیا ہے کہ طلاق تو ہوتی ہی اُس وقت ہے جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ کر گھر سے نکال دے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تیسری بار طلاق کو تو قرآن نکاح کی حتمی تحلیل مانتا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ۔(سورہ البقرہ۔ آیت 229)

طلاق دو مرتبہ ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا پھر نیکی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے۔

اب تیسری بار کا حال بھی ملاحظہ کر لیں۔

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 230)

پھر اگر اُسے طلاق دے دی تو اِس کے بعد اُس کیلئے وہ حلال نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے پھر اگر وہ اُسے طلاق دیدے تو اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر اُن کا گمان غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم کر سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں وہ اِنہیں کھول کر بیان کرتا ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

یعنی ایک مسلمان مرد کو اپنی پوری زندگی میں صرف دو بار یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو اِن دو اختیارات کو الگ الگ مواقع پر استعمال کر لے۔ چنانچہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی مرد ایک ہی موقع پر اپنی بیوی سے دو بار طلاق طلاق کہہ دے تو تبھی طلاق واقع ہو گی، نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی مرد پورے عزم کے ساتھ جب فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب اُس نے نکاح کے ادارے کو ختم کرنا ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنی عورت کو آگاہ کر دے کہ وہ اب مزید اِس ادارے کو قائم نہیں رکھنا چاہتا اِس لئے اگر آپ حالتِ طہر میں ہیں تو میری طرف سے طلاق آپ تک پہنچ گئی۔ یعنی کوئی مرد اگر واقعتاً نکاح کے ادارے کو ختم کرنے کا ارادہ کر چکا ہے تو اُس کا مقصد صرف ایک بار طلاق کا حق استعمال کرنے سے پورا ہو جاتا ہے۔ پس ایک موقع پر دو بار یا چار بار طلاق کہنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔

یعنی ایک موقع پر وہ زبان سے دو بار طلاق کہے یا دس بار کہے، دراصل واقع ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ بالفرض ایسا نہ ہوتا تو قرآن طلاق کے بعد رجوع کا اختیار نہ

دیتا۔ اب اگر طلاق کے بعد رجوع کا حق دیا گیا ہے تو اِس کا صاف مطلب یہی بنتا ہے کہ طلاق ہمیشہ رجعی ہوتی ہے یعنی طلاق ہے ہی وہ قانون کہ جس میں ایک مرد اور عورت کو دوبارہ گھر بسانے کا موقع حاصل رہے۔ مختصر یہ کہ طلاقِ مغلّظہ یا طلاقِ بدعت نام کی کوئی شے نہیں ہوتی کیونکہ ایک موقع پر ہمیشہ ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، پس لفظ طلاق چاہے تین بار دُہرایا جائے یا دس بار۔ بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ اُس وقت غارت ہو جاتا ہے جب لوگ سمجھتے ہیں کہ لفظ طلاق تین بار کہیں گے تو تبھی طلاق واقع ہو گی ورنہ طلاق واقع ہی نہیں ہو گی۔ یہی وہ بھونڈا مذاق ہے جو عموماً قرآنی حکم کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اِسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا تھا۔ ملاحظہ کریں۔

وعن محمود بن لبيد رضى الله عنه قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبان ثم قال: «أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم» حتى قام رجل فقال: يا رسول الله ألا أقتله؟ ۔ رواه النسائی ورواته موثقون.

جرح علَى مخرمه بن بكير القرشي

احمد بن حنبل: ثقة ولم يسمع من أبية، وإنما يروي من كتاب أبيه۔ يحيَى بن معين: ضعيف الحديث۔ ابن حجر: صدوق۔ نسائي: ليس به بأس۔ على بن مديني: ثقه۔ مالک بن أنس: ثقة۔ أبو حاتم الرازي: صالح الحديث (**تحكيم:** صححه الحافظ زبير على زئي)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاق دے ڈالی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ”کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جب کہ مَیں تمہارے درمیان موجود ہوں۔“ اِس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور اُس نے عرض کی ”یا رسول اللہ! کیا میں اُسے قتل نہ کر ڈالوں؟۔“ {نسائی روایت کرتے ہیں اور اِس کے راوی ثقہ ہیں} (بلوغ المرام۔ ترقیم شاملہ۔918۔۔ سنن نسائی۔ ترقیم شاملہ۔3430)

یعنی طلاق کا قرآنی اور شرعی طریقہ یہی ہے کہ ایک موقع پر ایک ہی طلاق دی جائے اور اگر کوئی شخص ایک موقع پر زبان سے دس بار بھی لفظ طلاق کہہ دیتا ہے تو واقع صرف ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ چنانچہ شوہر نے جب ایک طلاق دیدی تو اب اپنی بیوی کو اپنے گھر سے نہ نکالے بلکہ گھر کے کسی کونے میں ہی رکھ لے تاکہ مطلّقہ عزت کے ساتھ اپنی گنتی کے دن پورے کر لے۔ یہ قرآن کا حکم ہے۔ ملاحظہ کریں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا-(سورہ الطلاق۔ آیت 1)

اے نبی ﷺ! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا ربّ ہے۔ نہ تم ہی اِن کو اِن کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا تو اُس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ اِس کے بعد اور کوئی نئ صورت پیدا کر دے۔

یعنی یہ ضروری ہے کہ طلاق کے بعد بیوی کو اُس کے شوہر کے گھر میں ہی رہنا دیا جائے تا کہ عدت کے دوران اگر رجوع کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو مسئلہ نہ ہو۔ البتہ جب عدت پوری ہو گئی تو عورت پھر مکمل طور پر آزاد ہے، چاہے تو اپنے سابق خاوند سے نئے حقِ مہر کے عوض دوبارہ نکاح کر لے یا پھر جہاں چاہے نکاح کر لے۔ ہمارے ہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو ایک ہی موقع پر تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ کر گھر سے نکال دیتا ہے، یا پھر بیوی کے والدین کو اطلاع دے دیتا ہے کہ آپ کی بیٹی کو مَیں طلاق دے چکا ہوں اِس لئے آ کر اِس کو لے جائیں۔ طلاق دینے کا یہ غیر قرآنی اور غیر شرعی بلکہ غیر انسانی رواج صرف ہمارے ہاں اور ہندوستان میں رائج ہے۔ ایک ہی موقع پر تین بار طلاق کا لفظ دُہرا دینے سے ایک مسلمان صرف گناہگار ہی ہوتا ہے جبکہ اِس کی قانونی حیثیت بہر صورت ایک طلاق ہی رہتی ہے۔

اصل میں طلاق دینے کا یہ طریقہ ہی غیر شرعی ہے لیکن چونکہ یہ طریقہ امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اَمارت میں رواج پا گیا تھا تو حضرت عمرؓ نے بطورِ سزا اِس غلط طریقۂ طلاق کو جاری کر دیا تھا تاکہ لوگوں کی تادیب ہو جائے کہ اگر وہ بار بار اِس طرح کی حرکت کرتے رہیں گے تو یہ صورت قابلِ قبول نہیں ہوگی اور یوں ایک ہی موقع پر تین بار طلاق دُہرا دینے سے میاں بیوی میں مستقل علیحدگی واقع ہو جائے گی۔

اِس معاملے میں ہمارے پاس مستند احادیث بھی موجود ہیں بالخصوص ائمہِ اہلِ بیت کی تو بالکل واضح روایات مل جاتی ہیں۔ پہلے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک معروف روایت ملاحظہ کر لیں جس میں اِس سارے قضیے کا حال کسی قدر معلوم ہو جاتا ہے جبکہ بعد میں حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ کی بھی ایک روایت بیان کرتا ہوں۔

حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حدثنا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ: وَاحِدَةً، فقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: "إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ."

معمر نے ہمیں ابن طاوس سے خبر دی، اُنہوں نے اپنے والد (طاوس بن کیسان) سے، اُنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں تک (اکٹھی) تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھی، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایسے کام میں جلد بازی شروع کر دی ہے جس میں اُن کیلئے تحمل اور سوچ بچار (ضروری) تھا۔ اگر ہم اِس (عجلت) کو اُن پر نافذ کر دیں (تو شاید وہ تحمل سے کام لینا شروع کر دیں) اِس کے بعد اُنہوں نے اِسے اُن پر نافذ کر دیا۔ (اکٹھی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے لگے)۔ (صحیح مسلم۔ ترقیم شاملہ۔ 3673)

یعنی حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر تین یا چار یا دس بار طلاق کہہ دینے کو میاں اور بیوی کے درمیان مستقل علیحدگی کی حیثیت سے ایک نیا تادیبی قانون جاری کر دیا جو قرآن کے اُس شرعی حکم جس میں حکم دیا گیا کہ طلاق صرف دو بار ہے کو متاثر نہیں کرتا۔ لیکن اُس وقت حیرت کی انتہاء نہیں رہتی جب بعد کے زمانے میں فقہاء حضرت عمرؓ کے اِس تادیبی قانون کو قرآن کے واضح حکم پر ترجیح دینے لگتے ہیں حالانکہ مذکورہ بالا روایت میں واضح طور پر بیان کیا گیا کہ یہ ایک محض تادیبی کاروائی تھی اُن خاص افراد کے خلاف جو غیر شرعی طریقے سے طلاق دینے لگ گئے تھے۔

اب اِس قدر سادہ اور واضح تادیبی صورتحال کو قرآن کے مقابلے میں لاکر ایک نیا مستقل قانون بنادینا سمجھ سے بالاتر ہے۔اب امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ کی ایک دوٹوک روایت بھی دیکھ لیں۔

حميد بن زياد، عن الحسن بن محمد بن سماعة، عن جعفر بن سماعة، وعلي بن خالد، عن عبد الكريم بن عمرو، عن عمر بن البراء قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: إن أصحابنا يقولون: إن الرجل إذا طلّق امرأته مرّة أو مائة مرّة فإنما هي واحدة، وقد كان يبلغنا عنك وعن آبائك عليهم السلام أنهم كانوا يقولون: إذا طلّق مرّة أو مائة مرّة فإنما هي واحدة، فقال: هي كما بلغكم.

عمر بن براء کہتے ہیں کہ مَیں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا:"ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مرتبہ یا سو مرتبہ طلاق دیدے تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے اور ہمیں آپ اور آپ کے آباء کی طرف سے بھی یہی بات پہنچتی رہی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ یا سو مرتبہ طلاق دیدے تو وہ ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔"امام نے فرمایا:"بات ویسی ہی ہے جیسے تم تک پہنچی۔" (الکافی جلد ششم۔کتاب الطلاق۔باب 48۔صفحہ 46۔مطبوعہ۔منشورات الفجر بیروت۔لبنان۔سنِ اشاعت۔2007ء)

یعنی ایک موقع پر زبان سے ایک بار طلاق بول دیا جائے یا دس بار بہر حال وہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے اور یہی مستقل قرآنی قانون ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ طلاق کا کُل حق صرف دو بار ہے چنانچہ یہ تین بار طلاق والی صورتحال کا تو قرآن سرے سے ذکر ہی نہیں کرتا۔ اب کوئی اپنی بیوی سے ایک بار طلاق کہہ دے یا دس بار کہہ دے در حقیقت اِس سے قانونِ قرآنی پر کوئی نہیں فرق پڑتا اور ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

یہ کس قدر عام فہم اور سادہ بات ہے جسے فقہاء نے چیستاں بنا دیا۔ اب اگر کوئی مسلمان اِس صورتحال کا شکار ہو چکا ہے کہ اُسے اپنا بسا بسایا گھر اُجاڑنا ہی ہے تو پھر قرآنی طریقہ یہ ہے کہ پہلے پختہ ارادہ کرے۔ اِس کے بعد بیوی کو باقاعدہ متنبہ کرے کہ وہ اب طلاق کا ارادہ کر چکا ہے اِس لئے جب حیض سے پاک ہو جائے تو شوہر کو آگاہ کر دے تاکہ شوہر کی طرف سے ایک طلاق جاری کر دی جائے۔ چنانچہ ایسا کرنے کے بعد بیوی کو چاہئے کہ وہ شوہر کے گھر میں ہی کہیں کونے میں عدت کیلئے بیٹھ جائے اور تین حیض تک انتظار کرے۔ اگر اِس دوران رجوع کی کوئی صورت نکلتی ہے تو فبہا، نہیں نکلتی تو عدت پوری کرنے کے بعد بیوی اپنے شوہر سے مکمل طور پر آزاد ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں یعنی عدت کے بعد رجوع کا کوئی سلسلہ بن جاتا ہے تو دوبارہ نئے سرے سے نکاح ہو گا اور نیا حقِ مہر متعین کر کے واپس مطلقہ اپنے سابق شوہر

کے ساتھ بیوی کی حیثیت رہ سکتی ہے۔ خدانخواستہ بالکل یہی صورتحال دوسری بار بھی پیش آگئی تو یہی طریقہِ کار اختیار کرنا ہے۔ یعنی کُل دوبار ایک شوہر طلاق کا حق استعمال کر سکتا ہے۔ اِس کے بعد تیسرا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ تیسرے حق کے بعد رجوع کی کوئی بھی صورت اُس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ بیوی اتفاق سے کبھی دوسرے شوہر سے طلاق لے لیتی ہے یا بیوہ ہو جاتی ہے تو پھر وہ واپس اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ پس یہ ہے قرآن کا وہ نہایت سادہ اور عین اخلاقی طریقہِ طلاق جو اِس وقت ہمارے ہاں بالکل بھی رائج نہیں ہے۔ آئندہ موضوعات دراصل طلاق کی دو اہم قرآنی اقسام پر مبنی ہیں۔

☆☆☆☆☆

طلاقِ معروف

Consensual Divorce

نکاح اسلام میں ایک مستقل ادارے کا نام ہے جس کے تحت ایک مؤمن مرد اور ایک مؤمنہ عورت زندگی بھر کا ساتھ دیتے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے کی جہاں ایک طرف جنسی و جذباتی ضروریات پوری کر سکیں تو دوسری طرف ایک صالح نسل کو پروان چڑھا سکیں۔

اسلام میں نکاح وقت گزاری اور اتفاقی تعلق کا نام نہیں کہ چلو کچھ اور کام نہیں بن پڑا تو شادی ہی کر لی۔ نکاح کی بنیادی شرائط اور ذمہ داریاں سمجھنے کیلئے میرا مقالے "اسلام میں نکاح کا ادارہ" کا مطالعہ ضرور کریں۔

طلاق ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کے معنیٰ ہیں الگ ہو جانا۔ اصطلاح میں طلاق ایسے عمل کو کہتے ہیں جس میں شوہر یا بیوی میں سے کوئی ایک ادارہِ نکاح کو تحلیل کر دے۔ معروف قرآن کی نظر میں ایسی بھلائی کو کہتے ہیں جسے معاشرہ غیر مشروط طور پر تسلیم کر چکا ہو۔ پس ترکیب طلاقِ معروف کا مطلب ہوا ایسی طلاق جس میں شوہر یا بیوی میں سے کوئی ایک شریکِ حیات (Spouse) بغیر سرکشی و زیادتی کے ادارہِ نکاح کو تحلیل کرنے کا عزم کر لے۔ پس عزم اِس لئے کہ طلاق چاہے معروف ہو یا نشوز دونوں صورتوں میں طلاق کا باقاعدہ عزم کرنا

ضروری ہے چنانچہ ایسا نہیں ہے کہ بیوی نے سالن میں نمک زیادہ ڈال دیا تو دو یا تین بار لفظ طلاق کہہ دیا تو بس اب نکاح ختم۔ ایسے شغل کی تائید صرف پیشہ ور مولوی ہی کر سکتے ہیں۔ میرا استدلال صراحتاً نصِ قطعیہ پر کھڑا ہے۔ قرآن میں اِس کی باقاعدہ تاکید موجود ہے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 227)

"اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر چکے ہوں تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

یعنی اب جب نباہ کی کوئی صورت ہی ممکن نہیں رہی تو دونوں میں سے کسی پر بھی گناہ نہیں کہ وہ الگ ہو جائیں کیونکہ اللہ اِن (میاں بیوی) کے مسائل دیکھ رہا ہے اور جس طرح کا سلوک یہ ایک دوسرے سے روا رکھے ہوئے اُس کی سماعت خدا خود کر رہا ہے، بھلے زمین پر انسانی عدالت نہ بھی لگی ہوئی ہو لیکن آسمان پر خدا اپنی عدالت لگائے بیٹھا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ طلاق ایک پختہ ارادے کا نام ہے نہ کہ غصے یا ہڑبڑاہٹ میں دو تین بار طلاق طلاق کہہ دینے سے یہ ادارہ ٹوٹ جاتا ہے۔

طلاقِ معروف یعنی باہمی رضامندی پر مبنی طلاق اگر تو شوہر کی طرف سے ہو تو اب شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر اُس کو گھر کے کسی کنارے میں کر دے تاکہ وہ عزت و تکریم کے ساتھ عدّت پوری کر سکے۔ عدت کا دورانیہ قرآن کے مطابق تین قروء ہے۔ قرء عربی میں چاند کے ایک پورے چکر یعنی

اُنتیس یا تیس قمری دنوں کے عرصے کو کہتے ہیں چنانچہ اِس حساب سے تقریباً تین ماہ کا عرصہ بنتا ہے اور یہی عدتِ طلاق کی اصلی مدت ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ۔(سورہ البقرہ۔ آیت228)

"جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی، وہ تین قروء یعنی تین قمری چکروں تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔"

اگر اِس دوران عورت حمل سے ہو تو حمل چھپانا جائز نہیں۔ آیت کا اگلا ٹکڑا ملاحظہ کریں۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۔

"اور اُن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے اُن کے رحم میں جو کچھ خَلق فرمایا ہو، اُسے چھپائیں۔ اُنہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے اگر وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔"

یہ دوسری تاکیدِ قرآنی ہے یعنی اگر مطلقہ کا حمل ٹھہر چکا ہو تو طلاق کے خوف اُسے چھپانا جائز نہیں۔ تیسری تاکید یہ ہے کہ دورانِ عدت اگر مرد اپنا ارادہ بدل لے اور اپنی مطلقہ کو واپس اپنے نکاح میں لینا چاہے تو عدت کے دوران ہی لے سکتا ہے اِس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ تو خدا کی طرف سے ایک زبردست سہولت

ہے۔ یہ سہولت قرآن کی رو سے صرف دو بار دی گئی ہے، چنانچہ تیسری بار طلاق کے بعد رجوع جائز نہیں۔ مذکورہ آیت کا آخری تاکیدی ٹکڑا ملاحظہ کریں۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰ لِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۗ -

"اور اُن کے شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں تو وہ اِس عدّت کے دوران میں اُنہیں پھر اپنی زوجیّت میں واپس لینے کے حق دار ہیں۔"

تین حیض سے پاک ہونے تک کے پیریڈ میں نان نفقہ اور دیگر ضروری اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں۔ قرآن میں ہے۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ. (سورہ الاطلاق۔ آیت 6)

"تم اُن عورتوں (مطلّقات) کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور اُن کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو اُن پر خرچ کرو یہاں تک کہ اُن کا حمل وضع ہو جائے، پھر اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں (تمہارے بچے کو دودھ پلائیں) تو اُن کی اُجرت اُنہیں دو، اور تم آپس میں ایک دوسرے کو نیکی سکھاؤ، اور اگر تم آپس میں ضد کرو تو کوئی اور عورت دودھ پلا دے۔"

آیت محکمہ تمام مسائل کے خود ہی حل پیش کر دیتی ہے چنانچہ اِس میں کسی تفسیری جملوں کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

طلاقِ معروف میں جب شوہر بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور بیوی شوہر کے گھر عدت پوری کر لیتی ہے تو اُس کے بعد شوہر ایسے سُوکھا رُوکھا آزاد نہیں ہو جاتا۔ چونکہ ادارہِ نکاح یکطرفہ طور پر شوہر کی وجہ سے ٹوٹا ہے اور عورت نباہ کرنے کیلئے تیار تھی اِس لئے شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی مطلقہ کیلئے معقول اخراجات کا بندوبست کرے تاوقتیکہ عورت یا تو کسی سے دوسرا نکاح کر لے یا پھر واپس پہلے اِسی شوہر کے نکاح میں آ جائے یا اپنے معاشی مسائل کا کوئی معقول حل نکال لے، چنانچہ یہ مدت ایک ماہ سے کم از کم دو سال کے عرصے تک ہو سکتی ہے۔ البتہ اولاد کی کفالت کا معاملہ الگ ہے جس پر تفصیلی بحث حضانت کے باب میں آ جائے گی۔

ہمارے ہاں علماء نے خوب واویلا مچا رکھا ہے کہ عدت کے بعد شوہر پر اپنی مطلقہ کے نان نفقہ وغیرہ کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور عدت کے بعد اُس کا اپنا کام ہے، جدھر جاتی ہے، جائے اور جس طرح سے بھی گزر بسر کرتی ہے، کرتی رہے۔ یہ صورت جائز ہے مگر صرف طلاقِ نشوز میں اور وہ بھی جب یہ نشوز بیوی کی طرف سے ہو تب عورت اِس حق سے محروم ہو جاتی ہے کیونکہ تب ادارہِ نکاح کو توڑنے کی یکطرفہ ذمہ داری عورت پر آ جاتی ہے۔ یہی معقول اور مطابقِ قرآن ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں ایک شوہر کو پوری زندگی میں صرف دو بار طلاق

دینے کا حق حاصل ہے۔ طلاق کا قرآنی طریقہ یہی ہے کہ جب طلاق کا عزم کر لیا تو ایک طلاق کے ساتھ ہی بیوی کی عدت شروع ہو جائے گی اور اگر عدت میں شوہر نے رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہ جائے گا ورنہ عدت کے اختتام کے ساتھ ہی پہلی طلاق واقع ہو جائے گی۔ بالکل یہی عمل دوسری بار بھی دہرایا جا سکتا ہے اگر پہلی طلاق کی عدت میں یا بعد از عدت رجوع کر لیا ہے۔ تیسری بار یہ عمل دہرانے کے بعد نہ تو عدت کے دوران رجوع جائز ہے اور نہ عدت کے بعد کیونکہ اب شوہر رجوع کا حق کھو چکا ہے۔ اِسی کو قرآن کی رُو سے ہم **حقِ مَرّاتان** کہہ سکتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ ۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ ۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ -

(سورہ البقرہ۔ آیت 229)

"طلاق کا حق (شوہر کیلئے) صرف دوبار ہے، پھر یا تو قاعدہ کے مطابق رکھ لینا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے۔"

یہ طلاقِ معروف میں شوہر کی طرف سے ادارہِ نکاح کے انہدام کی صورت میں ہے۔ خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کرنے کی وضاحت سورہ بقرہ کی اِس آیت سے قطعی طور پر سامنے آجاتی ہے۔ اِسی طرح **حقِ مرّاتان** استعمال کر لینے کے بعد رجوع کی ایک صورت قرآن بتاتا ہے لیکن اُس صورت کا اتفاقی ہونا ضروری ہے نہ کہ مصنوعی۔ یعنی مطلقہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیتی ہے اور وہیں سے

بھی اتفاقاً طلاق لے بیٹھتی ہے تو ایسی صورت میں واپس اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنا اُس کیلئے جائز ہو جاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں اِسے " حلالہ "کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔(سورہ البقرہ۔ آیت230)

"پھر اگر اُسے طلاق (تیسری بار) دے دی تو اِس کے بعد اُس کیلئے وہ حلال نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اُسے طلاق دیدے تو اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر اُن کا گمان غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے ،اور یہ اللہ کی حدیں ہیں وہ اُنہیں کھول کر بیان کرتا ہے اُن لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔"

آیتِ بالا اپنا مضمون پوری طرح واضح کر دیتی ہے چنانچہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

چند ضروری مسائل کی توجیہ کے بعد واپس مذکورہ موضوع کی طرف آجاتے ہیں کہ طلاقِ نشوزِ بعل (شوہر کی سرکشی کی صورت) میں مطلقہ کی دورانِ عدت اور پھر عدت کے بعد بھی کفالت شوہر کے ذمہ رہے گی۔ قرآن میں ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَي الْمُتَّقِيْنَ۔

(سورہ البقرہ۔ آیت 241)

" اور مطلقات کیلئے متاعِ معروف ہے، اور یہ وہ حق ہے جو متقین پر عائد ہوتا ہے۔"

مطلقات کی عدت کے دوران کفالت مردوں کا فرض ہے نہ کہ متقین کا حق۔ عجیب ظلم ڈھاتے ہیں وہ علماء جو آیتِ مذکورہ کو عدت کے دوران کفالت پر محمول کر لیتے ہیں حالانکہ آیت کے سیاق میں قطعی طور پر ایسا کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

سوال یہ ہے کہ اِس آیت کو عدت کے دوران کفالت تک کس نے محدود کیا ہے؟،جب قرآن نہیں کرتا تو ہمارے نزدیک ہم کسی بھی فقیہ یا مفتی کی یہ جرأت تسلیم نہیں کر سکتے، بھلے وہ جو کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ اسلام کا ہر حکم ایک زبردست اخلاقی وجود رکھتا ہے چنانچہ ایک مؤمن متقی کیسے یہ گوارا کر سکتا ہے کہ ایک عورت جس نے زندگی کا ایک حصہ اُس مرد کے ساتھ گزارا اور اب بھی وہ یہ بندھن نبھانا چاہ رہی تھی لیکن مرد نے اُسے مزید ساتھ رہنے کا موقع نہیں دیا تو مرد اب اُسے بے یارو مددگار چھوڑ دے؟۔ یہ تو صریح ظلم ہے۔ اِس لئے

ضروری ہے کہ مرد اپنی مطلقہ کی اِس قدر مالی مدد کرتا رہے تاوقتیکہ مطلقہ کہیں دوسرا نکاح کرلے یا پھر اِسی مرد کے نکاح میں واپس آجائے یا پھر وہ اپنا متبادل ذریعہِ گزر اوقات کا انتظام کرلے۔ یہ مدت ایک ماہ سے دو سال تک ہوسکتی ہے، یا پھر مرد یکمشت کچھ متاع یعنی مال وغیرہ جسے آجکل کی اصطلاح میں Alimony کہا جاتا ہے، دے کر بھی اپنی یہ ذمہ داری پوری کرسکتا ہے۔

البتہ طلاقِ معروف کا مطالبہ اگر عورت کی طرف سے کیا گیا ہو تو پھر صورت مختلف ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں مرد پر صرف عدت کے دوران ہی نان نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور پھر اِس کے بعد مرد پوری طرح آزاد ہو جاتا ہے۔

یعنی ایسے مواقع پیدا ہو جائیں کہ بیوی شوہر کے ساتھ رہنے کا ارادہ ترک کر بیٹھی ہو اور عزت و تکریم کے رخصت ہونا چاہتی ہو تو قرآن اِس کی مکمل اجازت دیتا ہے البتہ اِس صورت میں چونکہ ادارہِ نکاح یکطرفہ طور پر بیوی کی طرف تحلیل ہوتا ہے تو پھر ضروری ہے کہ بیوی اپنے مرد کو اِس کا فدیہ دے۔ اِس صورت میں یہ فدیہ دراصل قیمتِ طلاق (Price of Divorce) بن جائے گا۔ یہ فدیہ شوہر کی طرف سے دیا گیا اَجرِ نکاح یعنی حقِ مہر کی واپسی کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور اگر بیوی کو کبھی شوہر نے کچھ بطورِ ہدیہ دیا ہو تو وہ واپس کرنے سے بھی طلاق کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ بیوی کے اِسی مطالبہِ تحلیلِ نکاح کو فقہاء نے خلع کی اصطلاح سے تعبیر کیا۔

ایسی صورت میں شوہر تو بہر صورت گھر بسانا چاہتا ہے لیکن بیوی نہیں بسانا چاہتی تو اب تحلیلِ نکاح کی ساری ذمہ داری بیوی پر آجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اب بیوی کو فدیہ دینا پڑتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ.

(سورہ البقرہ۔ آیت 229)

"پھر اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ دونوں اللہ کی حدوں پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر گناہ نہیں اُس مال میں جس کو عورت فدیہ میں دیدے۔"

حدود اللہ کی پائمالی کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے کہ بیوی کو کوئی اور مرد پسند آچکا ہو یا پھر بیوی اپنے شوہر کی نافرمانی کا اندیشہ رکھتی ہو یا بیوی شوہر کی کسی عادت سے نالاں ہو چکی ہو وغیرہ وغیرہ، مطلب کوئی اضطراری صورت نہ ہو۔ پس ایسی کسی صورت میں عورت کی طرف سے تحلیلِ نکاح کا مطالبہ جائز ہے لیکن بدلے میں اپنے مرد کو فدیہ دینا ہو گا۔ یہ فدیہ اَجرِ نکاح (حق مہر) کی واپسی بھی ہو سکتا ہے۔ مرد کی طرف سے اپنی عورت کو دیا گیا ہدیہ واپس دے دینے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے یا پھر عورت اپنی ذاتی کمائی یا والدین کی طرف سے ملنے والی کسی مالی معاونت کو بھی بطورِ فدیہ استعمال کر سکتی ہے۔ لیکن ایسی صورت میں عدت کے بعد بیوی اپنے سابق شوہر سے کسی مزید مالی معاونت کا استحقاق کھو بیٹھتی ہے۔ چنانچہ عدت ختم تو بیوی کے رخصت ہوتے ہی سابق شوہر کی ذمہ داری بھی ختم۔

اِسی کو فقہاء نے خلع کہا اور یہ دراصل بیوی کا اپنے شوہر سے طلاق خریدنا ہے کیونکہ اسلام میں نکاح کی بنیادی شرط مال ہے۔ مرد نے مال کے عوض ایک عورت کو معاشی، سماجی، قانونی، اخلاقی اور جذباتی تحفظ فراہم کیا تھا تو چونکہ اب وہی عورت اِس تحفظ سے باہر نکلنا چاہتی ہے تو لازم ہے کہ عورت اب اِس کی قیمت اَدا کرے۔

سیکولر قوانین کی یہ عجیب ہٹ دھرمی ہے کہ طلاقِ معروف اگر بیوی کی طرف سے بھی ہو تب بھی شوہر مالی جرمانہ (Alimony) ادا کرے گا۔ یہ ظلم ہے کہ ایک تو بیوی ادارہِ نکاح تباہ کر کے شوہر کو بے سہارا چھوڑے جا رہی ہو، دوسرا جاتے جاتے اُسے کنگلا بھی کر جائے۔ یہ دراصل مہربانی ہے انسان کے اپنے بنائے قوانین کی۔ خدا بیزاری کے بعد انسان، انسان بھی رہ جاتا ہے، کوئی گارنٹی نہیں۔

☆☆☆☆☆

طلاقِ نشوز

Defiant Divorce

طلاقِ نشوز اپنی اصل میں تحلیلِ نکاح کی وہ صورت ہے جس میں شوہر یا بیوی مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ نکاح کو تحلیل کر دیں۔ یہ طلاقِ معروف کی طرح باہمی رضامندی کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ اِس میں ایک فریق کی طرف سے سرکشی و زیادتی شامل ہو جاتی ہے۔ یہ سرکشی اگر عورت کی طرف سے اختیار کر لی جائے تو تب قرآن کے مطابق شوہر کو چار ممکنہ صورتیں اختیار کرنی چاہئیں تاکہ ادارہِ نکاح تحلیل ہونے سے بچ جائے۔

نُشوز ایک خالص قرآنی اصطلاح ہے۔ عربی میں اِس کے معنٰی بلندی یا اُٹھنے کے ہیں اور یہ لفظ مجازی معنوں میں شوہر یا بیوی کے بُرے رویے، بغاوت یا ازدواجی ذمہ داریوں سے انحراف کے لئے آتا ہے۔

لغوی طور پر مادہ "ن ش ز" (نَشَزَ) کا مطلب ہے "بلند ہونا"، "اُٹھنا"، یا "اُوپر آنا"۔

ازدواجی تعلق میں "نشوز" اُس حالت کو کہتے ہیں جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک، دوسرے کے واجب حقوق ادا کرنے میں بغاوت یا ناپسندیدگی اختیار کر لے۔

قرآن میں یہ لفظ دو بنیادی سیاق میں آیا ہے۔ بیوی کا نشوز اور شوہر کا نشوز۔

1. بیوی کا نشوز

یعنی بیوی کا شوہر کے جائز حقوق میں بغاوت یا بد سلوکی کرنا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا- (سورہ النساء۔ آیت34)

"اگر بیویوں سے تمہیں نشوز (بغاوت یا نافرمانی) کا اندیشہ ہو تو پہلے اُنہیں نصیحت کرو، پھر بستر الگ کرلو اور (آخری مرحلے میں) ہلکی جسمانی تادیب کرو۔ پھر اگر وہ اطاعت پر آجائیں تو اُن پر زیادتی کا کوئی راستہ مت تلاش کرو۔"

اِس سے قرآن کی ہدایت واضح ہو گئی۔

پہلا مرحلہ: وعظ و نصیحت

دوسرا مرحلہ: ازدواجی طور پر بستر الگ کرنا (علامتی ناراضی)

تیسرا مرحلہ: ہلکی جسمانی تادیب (بغیر تکلیف اور چوٹ پہنچائے)، مقصد اصلاح ہے، نہ کہ ظلم۔

اصل میں قرآن کی اِس آیت پر سیکولر ذہنیت نے وہ واویلا مچایا کہ الامان الحفیظ۔ کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن عورتوں کو مارنے کا حکم دیتا ہے اور اسلام میں عورت بہت

مظلوم ہے اور یہ کہ شوہر جب چاہے عورت پر ہاتھ اُٹھا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں نکاح ایک مستقل ادارے کا نام ہے اور اِس ادارے کو بچانے کی ہر ممکن اور معقول کوشش کرنا ضروری ہے اور اِسی کوشش کی آخری حد جسمانی تادیب ہے۔ اب اگر کوئی منکوحہ اِس ادارے کو تحلیل کرنے کی کوشش شروع کر دے تو بتایئے مرد کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے ؟۔

غور کریں اور بتائیں کہ سب سے معقول ابتدائی صورت کیا ہو سکتی ہے ؟، یہی نا کہ سمجھانا بُجھانا، وعظ و نصیحت کرنا کہ بھئی کیوں خواہ مخواہ اِس ادارے کو تباہ کرنے پر تُل گئی ہو، باقاعدہ تبادلہِ خیال ہو گا اور اگر عورت کے تحفظات معقول ہوں گے تو وہ اپنے مرد کو فدیہ (قیمتِ طلاق) دے کر علیحدگی اختیار کر سکتی ہے، اِس میں زور زبر دستی والی تو سرے سے کوئی بات ہی نہیں کہ عورت نکاح کر کے بہر صورت مجبور ہو چکی ہے کہ وہ اب اِس بندھن کو ظلم کے باوجود بھی نبھاتی رہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ عورت الگ بھی نہیں ہونا چاہتی اور پھر بھی نکاح کو متاثر کر رہی ہے تو ایسی صورت میں سب سے معقول رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ اُسے شوہر کی طرف سے سمجھایا جائے اور یہ پہلا مرحلہ ہے۔

دوسرے مرحلے یعنی وعظ و نصیحت کے بعد بھی عورت بغاوت سے باز نہیں آ رہی تو اب اُس سے قربت منقطع کر دی جائے گی۔ بظاہر یہ بہت ہی معقول حکمتِ عملی ہے کہ مرد کے اِس طرزِ عمل سے اکثر اوقات عورت نصیحت پکڑ لیتی ہے، لیکن

شوہر کی یہ حکمتِ عملی بھی کارگر ثابت نہیں ہو رہی تو ایک بار پھر عورت سے کہا جائے گا کہ الگ ہونا ہے تو فدیہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت ہو جاؤ۔ شوہر کی طرف سے اب اِس نہایت اہم قدم اُٹھانے پر بھی بیوی نہ علیحدگی اختیار کرنے کی ہمت کرتی ہے اور نہ ہی عزت و تکریم کے ساتھ نکاح قائم رکھنا چاہتی ہے تو پھر بتایئے کیا کیا جائے سوائے اِس کے ایسی عورت کو سزا دی جائے؟۔

معاملہِ نشوز تو صرف اُسی صورت میں آگے بڑھتا ہے جب بیوی نکاح میں رہ کر نکاح کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو جبکہ اگر وہ نکاح کے ادارے کو اپنی مرضی سے تحلیل کرنا چاہے تو اُسے مکمل طور پر اجازت حاصل ہے۔ اگر بیوی ابتداء ہی میں اِفتداء کا حق جسے فقہی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے استعمال کرلے تو نشوز کے پہلے مرحلے وعظ و نصیحت پر ہی بات ختم ہو جائے گی۔

جسمانی تادیب کے بعد بھی عورت سرکشی سے باز نہ آرہی ہو تو اب ایک آخری صورت یہ بتائی قرآن نے کہ حکمین کو درمیان میں لایا جائے۔ یعنی ایک بزرگ بیوی کی طرف سے اور دوسرا بزرگ شوہر کی طرف مسئلہِ نشوز کو رفع کرنے کی کوشش کرے گا۔ قرآن میں ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۖ إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔

(سورہ النساء۔ آیت 35)

"اور اگر تمہیں اُن دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جھگڑے کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک ثالث عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں صلح کا ارادہ کریں گے تو اللہ اُن کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، باخبر ہے۔"

یہ آخری اقدام ہے میاں یا بیوی کی طرف سے نشوز کو رفع کرنے کا، چونکہ معاملہ اب میاں یا بیوی کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اِس لئے قرآن واضح تاکید کرتا ہے کہ اگر بیوی سرکشی کر رہی ہے تو شوہر حکَمَین بُلا لے اور اگر شوہر سرکشی کر رہا ہو تو بیوی بھی حکَمَین بُلا سکتی ہے۔ چنانچہ اب اگر ثالث معاملہ نمٹا لیتے ہیں تو خدا اِس طرح سے میاں بیوی کے درمیان پھر سے موافقت پیدا کر دے گا لیکن اگر یہاں سے بھی معاملہ سیدھا نہیں ہو رہا پھر تو اب اِس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کہ شوہر بیوی کو ایک طلاق دے کر فارغ کر دے۔ اب ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر کو نہ صرف اَجرِ نکاح (حقِ مہر) واپس کرے گی بلکہ شوہر کی طرف سے حدود اللہ پائمال ہونے کے خدشے کے پیشِ نظر فدیہ (مالی تاوان) بھی دے گی۔ فدیہ اب اِس صورت میں بیوی کی طرف سے زبردستی نکاح تحلیل کرنے پر مالی جرمانہ (Financial Penalty) بن جائے گا۔ اِس کی دلیل ہم قرآن کی ایک دوسری آیت سے لیتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔(سورہ محمد۔ آیت 4)

"اور پھر یا تو اِس کے بعد احسان کر لو یا مالی تاوان لے لو۔"

یہاں وہی مادہ یعنی "ف۔ د۔ ی" اب مالی تاوان کے معنٰی میں آ گیا ہے، فلہٰذا فدیہ کا معنٰی مالی تاوان میری ذاتی اختراع نہیں، قرآن خود اِسے مالی تاوان کے معنوں میں استعمال کر رہا ہے۔ البتہ مرد اگر اپنی بیوی کے ساتھ گزری بسری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُس سے مالی تاوان نہیں لیتا تو یہ جائز ہے۔ اب فدیہ کے اِسی معنٰی کو ذہن میں رکھیں اور قرآن کی پھر اُسی آیت پر غور کریں۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ.

(سورہ البقرہ۔ 229)

"پھر اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ دونوں اللہ کی حدوں پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر گناہ نہیں اُس مال میں جس کو عورت فدیہ میں دیدے۔"

یعنی عورت چاہے طلاقِ معروف کی بنیاد پر نکاح تحلیل کرنے کا مطالبہ کرے یا نشوز کے سبب مرد مجبور ہو جائے کہ وہ عورت کو طلاق دے، ہر دو صورتوں میں بیوی شوہر کو فدیہ دے گی۔ پہلی صورت میں بیوی کا فدیہ اپنے شوہر سے ایک مالی لین دین یعنی فدیہ قیمتِ طلاق تھی کیونکہ اِس کے سبب بیوی حدود اللہ کی پائمالی کا اندیشہ رکھتی تھی جبکہ دوسری صورت یعنی طلاقِ نشوز میں یہ فدیہ مالی جرمانہ بن جائے گا کہ بیوی کی مسلسل سرکشی سے شوہر حدود اللہ پائمال کرنے تک پہنچ چکا۔ یعنی طلاقِ معروف کی صورت میں بیوی کی باہمی رضامندی سے نکاح تحلیل ہو رہا

تھا اور یہاں بیوی کی سرکشی کے سبب نکاح تحلیل ہو رہا ہے۔ دونوں صورتوں میں حدود اللہ کی پائمالی ایک بنیادی مسئلے کی حیثیت سے پیشِ نظر ہے۔ فدیہ کی صورت اَجرِ نکاح (حقِ مہر) کی واپسی بھی ہو سکتی ہے یا اِس کے علاوہ اگر بیوی کے پاس کچھ مال متاع ہے تو وہ بھی مرد کو بطورِ فدیہ پیش کر سکتی ہے۔

یہ تو ہو گیا بیوی کا نشوز، اب آگے شوہر کے نشوز پر بھی قرآن واضح ہدایات دے رہا ہے۔

2. شوہر کا نشوز

شوہر کا بیوی کے حقوق میں بغاوت یا بدسلوکی کرنا قرآن کی خاص اصطلاح میں نشوز البعل کہلاتا ہے۔

نشوز البعل خالص قرآنی اصطلاح ہے جو سورہ النساء کی آیت 128 سے اخذ کی گئی ہے۔ چنانچہ شوہر کا بیوی کے حقوق میں بغاوت یا بدسلوکی کرنا بھی نشوز کہلاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔(سورہ النساء۔ آیت 128)

"اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے نشوز یعنی سرکشی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں کے لئے کوئی حرج نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے۔"

درج بالا آیت سے قرآن کی ہدایت واضح ہو گئی کہ اگر شوہر کے رویے میں سختی یا لاتعلقی کا رجحان ہو تو بیوی اور شوہر باہمی رضامندی سے کوئی صلح یا مفاہمت طے کر لیں۔ اِس صلح میں حقوق یا ذمہ داریوں میں کچھ لچک یا رعایت شامل ہو سکتی ہے تاکہ ازدواجی رشتہ بر قرار رہ سکے، لیکن اگر عورت سمجھتی ہے کہ اُس کا مرد کھلی سرکشی پر اُتر آیا ہے اور نباہ کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی تو پھر یہاں مرد پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ نہ صرف اپنی عورت کا اَجرِ نکاح (حقِ مہر) اُسے پورا دیدے بلکہ عدّت کے دوران اور بعد میں بھی اُس کیلئے معاشی وسائل کا بندوبست کرے تاوقتیکہ اُس کیلئے معیشت کا کوئی اور معقول بندوبست ہو جائے۔ ایسی صورت میں اَجرِ نکاح یعنی حقِ مہر میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی۔ قرآن میں ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۗ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ۔ (سورہ النساء۔ آیت 19)

"اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو، اور نہ یہ حلال ہے کہ اُنہیں تنگ کر کے اُس مہر کا کچھ حصّہ اُڑا لینے کی کوشش کرو جو تم اُنہیں دے چکے ہو۔"

نکتہ واضح ہوا کہ نشوز البعل (شوہر کی سرکشی) کی صورت میں اپنی منکوحہ سے حقِ مہر واپس نہیں لیا جاسکتا بلکہ اگر عورت مجبور ہو کر طلاق لینے کیلئے قاضیِ وقت کے پاس جاتی ہے تو شوہر پر لازم ہے کہ وہ عدّت میں بھی اُس کی کفالت کرے اور پھر

عدّت کے بعد بھی اُس کیلئے معقول معاشی وسائل کا بندوبست کرے۔ اِس ضمن میں قرآن کی ہدایت واضح ہے۔

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ۔

(سورہ البقرہ۔ آیت 241)

" اور مطلقات کیلئے متاعِ معروف ہے، اور یہ وہ حق ہے جو متقین پر عائد ہوتا ہے۔"

شوہر کی طرف سے سرکشی کی صورت میں بیوی کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑا جا سکتا کیونکہ اِس صورت میں نکاح کو تحلیل کرنے کی پوری ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے جبکہ عورت نباہ کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی۔ چنانچہ اب ضروری ہے کہ شوہر مطلقہ کے نہ صرف عدت میں نان نفقہ اور سکونت کا انتظام کرے گا بلکہ عدت کے بعد بھی معقول مال متاع مطلقہ کو دیتا رہے گا تاوقتیکہ عورت کہیں دوسرا نکاح کرلے، یا اِس شوہر کو عقل آجائے اور واپس اپنی مطلقہ کو نکاح میں لے لے یا پھر مطلقہ خود کسی طریقے سے اپنے معاشی مسائل حل کرلے۔ اِس کفالت کی مدت ایک ماہ سے دو سال تک ہو سکتی ہے یا پھر سابق شوہر مطلقہ کو یکمشت کچھ معقول مال متاع دے کر بھی اپنی ذمہ داری سے عہد براء ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں پر صورتحال اِس قدر بگڑ جائے کہ شوہر سرکشی و زیادتی سے بھی باز نہ آئے اور بیوی کو طلاق دینے کیلئے بھی آمادہ نہ ہو تو پھر بیوی کو یہ حق حاصل ہو

جاتا ہے کہ وہ قاضیِ وقت کے پاس اپنا مقدمہ لے جائے۔ تب قاضیِ وقت متاثرہ مدعیہ کی طرف سے نائبِ شوہر بن کر مدعیہ کو خود طلاق دیدے گا۔ فقہ میں اِسے "تنسیخ" (Annulment) کہتے ہیں اور یہ صرف قاضیِ وقت کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی منکوحہ کا نکاح تحلیل کرے۔ یہاں پر ضروری ہے کہ ہم شوہر کے نشوز کے علاوہ کچھ اضطراری صورتیں (Under Duress) بھی بیان کر دیں تا کہ یہ معاملہ صاف ہو جائے کہ ایک منکوحہ اپنا نکاح تحلیل کروانے کیلئے کس صورت میں قاضیِ وقت کے پاس جا سکتی ہے۔ یہ صورتیں معروف ہیں اور اِن کی بنیاد ایک نصِ قطعیہ سے لی گئی ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ۔

(سورہ الأعراف۔ آیت 199)

"اے نبیؐ! نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، 'معروف کی تلقین کئے جاؤ'، اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔"

معروف کی تلقین سے ثابت ہوا کہ کسی بھی معاشرے کے معروف واجب الاتباع ہوتے ہیں اور اِن سے انحراف دینی مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ہم چار معروف صورتیں بیان کر دیتے ہیں جن کے تحت ایک بیوی قاضیِ وقت کے پاس تحلیلِ نکاح کیلئے جا سکتی ہے۔

پہلی صورت:

1: جب شوہر مردانہ قوت (Potency) سے محروم ہو جائے۔

دوسری صورت:

2: جب شوہر مخبوط الحواس (Insane) ہو جائے۔

تیسری صورت:

3: جب شوہر نان نفقہ سے دستبردار ہو جائے۔

چوتھی صورت:

4: جب شوہر بیوی کیلئے مستقل جسمانی یا نفسیاتی اذیت بن جائے۔

اِن کے علاوہ کوئی بھی ایسی معروف اضطراری صورت ممکن نہیں کہ جس کے تحت ایک بیوی تحلیلِ نکاح کیلئے قاضیِ وقت کے پاس جا سکتی ہے۔

پس جب ایسی کوئی صورت پیش آ جائے تو احکام وہی رہیں گے یعنی سورہ طلاق آیت 6 کے تحت شوہر دورانِ عدت بیوی کی کفالت کا انتظام کرے گا اور بعد میں بھی معقول کفالت کا بندوبست کرے گا، اِس کی تفصیل اُوپر گزر چکی۔

آخر میں ایک انتہائی اہم نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ قاضیِ وقت نشوز البعل کی صورت میں جب تنسیخِ نکاح کرے گا تو یہ بہر صورت صرف ایک ہی طلاق شمار

ہو گی اور اگر بعد میں شوہر دوبارہ اہل ہو جائے تو واپس اپنی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ ایک شوہر کو خدا کی طرف سے دیا گیا **حقِ مرّاتان** کسی بھی صورت میں منسوخ نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆☆☆

حضانت

Child Custody

عربی زبان میں نابالغ بچوں کی کفالت اور تربیت (Child Custody) کو حضانت کہتے ہیں۔ یہ صورت تب واقع ہوتی ہے جب ادارہِ نکاح تحلیل ہو جائے اور بچوں کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جائے۔ یہاں پر قرآن کی واضح ہدایت کے مطابق دودھ پیتے بچوں کے متعلق تو احکام موجود ہیں لیکن تین سے سات سال کے بچوں کے متعلق پھر قرآنی آیات کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے گا۔ دو سال کی عمر کے بچوں کیلئے ایک تفصیلی ہدایت موجود ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

(سورہ البقرہ۔ آیت 233)

جو باپ چاہتے ہوں کہ اُن کی اولاد پوری مدّتِ رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچّوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔ اِس صورت میں بچے کے باپ کو

معروف طریقے سے اُنہیں کھانا کپڑا دینا ہو گا۔ مگر کسی پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہیں ڈالنا چاہیئے، نہ تو ماں کو اِس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچّہ اُس کا ہے اور نہ باپ ہی کو اِس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچّہ اُس کا ہے، دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا بچّے کے باپ پر ہے، ویسا ہی اُس کے وارث پر بھی ہے، لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اُس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اُس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو، وہ معروف طریقے پر ادا کر دو۔ اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔"

یہ وہ بچے ہیں جو تھنوں پر ہوں یعنی ماں کا دودھ پی رہے ہوں تو طلاق کے بعد ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہاں اپنے بچوں کو دودھ پلائے، قطعِ نظر اِس سے کہ اب اُس کی شوہر سے علیحدگی ہو چکی ہے۔ لیکن اگر مطلقہ دودھ پلانے کیلئے راضی نہ ہو تو اُسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، ایسی صورت میں یہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کیلئے اُجرت پر دودھ پلانے والی کا انتظام کرے۔

ہمارے پیشِ نظر اصل مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ بچے طلاق کے بعد کس کے پاس رہیں گے، ماں کے پاس یا باپ کے پاس۔ نابالغ بچوں کی کفالت و تربیت کے ویسے تو ماں باپ دونوں پوری طرح ذمہ دار ہیں لیکن اب ایک ایسی صورت درپیش ہو چکی

ہے کہ ماں باپ ساتھ نہیں رہ سکتے اِس لئے اب یہ فیصلہ تو ہو گا کہ آخر بچے کس کے پاس رہنے چاہئیں۔ اِس مسئلہ کے حل کیلئے ہم سورہ الاعراف کی آیت 199 یعنی " وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ" کے تحت عُرف کی طرف دیکھیں گے کہ کسی معاشرے کے عُرف میں نابالغ بچوں کی کفالت و تربیت میں ماں زیادہ حساس رہتی ہے یا باپ یا پھر کسی خاص موقع پر ماں زیادہ استحقاق رکھتی ہے یا باپ۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ قانونی نوعیت کا ہے اِس لئے عمومی اجتہاد کی رُو سے اگر نابالغ بچی ہے تو سات سال کے عرصے کیلئے ماں کے سپرد کر دی جائے جبکہ نابالغ لڑکا ہے تو پانچ سال ماں کے پاس رہے پھر اِس کے بعد باپ کے سپرد کر دیا جائے۔ اضطراب سے بچنے کیلئے یہ تحدید قائم کر دی گئی ہے ورنہ پیشِ نظر صورتحال اور ماں باپ کی کیفیاتِ ذہنی و جسمانی کو دیکھ کر قاضیِ وقت حسبِ موقع خود ہی اجتہاد کرے گا کہ بچے کس کے سپرد کرنا بچوں کے حق میں زیادہ بہتر رہے گا۔

دین اسلام کیمسٹری کے فارمولے نہیں پیدا کرتا کہ ہر مسئلے کا حل قطعی طور پر پہلے سے لکھ دیا گیا ہو۔ یہ شغل تو مؤخرین فقہاء نے لگایا کہ حقیقی مسائل تو ایک طرف فرضی مسائل بھی پیدا کر کے اُن کے حل پہلے سے کتابوں میں لکھ دیئے۔

پہلی صورت:

طلاقِ معروف اگر شوہر کی طرف سے ہو تو قاضی کو چاہیئے کہ بلا کسی تردّد کے بچے ماں کے سپرد کر دے کیونکہ معقول یہی ہے۔ اب جو شخص اتنی مدت ایک عورت

کے ساتھ گزارنے کے بعد بھی اُسے چھوڑ سکتا تو وہ اولاد کے حق میں بہ روئے قرینہ بہتر نہیں ہو سکتا۔

دوسری صورت:

طلاقِ معروف اگر بیوی کی طرف سے ہو تو ایسی صورت میں اگر بچے تھنوں پر نہیں ہیں یعنی دودھ پیتے نہیں ہیں تو قاضی شوہر کے سپرد کر دے کہ جو عورت صرف اپنی خواہشات کی پیروی میں نکاح کا ادارہ تحلیل کر کے بچوں کا مستقل داؤ پر لگا چکی ہے وہ یہ حق نہیں رکھتی کہ بچے اُس کے سپرد کر دیئے جائیں۔

تیسری صورت:

اِسی طرح اگر طلاقِ نشوز شوہر کی طرف سے ہو تو قاضی کو چاہئے کہ بچے بھلے دودھ پیتے نہ ہوں اور اگر اُن کی عمر سات سال سے زائد بھی ہو تو ماں کے سپرد کر دے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ نیک برتاؤ نہیں کر پایا اُس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ بچوں کی بہتر تربیت کر پائے گا قریناً محال ہے۔

چوتھی صورت:

البتہ اگر طلاقِ نشوز بیوی کی طرف سے ہو تو ایسی سرکش عورت کو اولاد سپرد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ ایسی صورت میں اگر بچے تھنوں پر نہ ہوں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ بچے باپ کے سپرد کر دے۔ اگر قاضی باپ سے یہ یقین لے لے کہ

بہر صورت بچوں کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا لیکن اگر شوہر تربیت کی اہلیت نہیں رکھتا تو قاضی بچے دادی یا پھپھو یا شوہر کے خاندان کی کسی اور نیک عورت کے سپرد کر دے تاکہ کسی بھی صورت میں بچوں کی تربیت میں کوئی کوتاہی واقع نہ ہو۔

یہاں پر مَیں نے حضانت سے متعلق چند ممکنہ صورتوں میں قانونی پوزیشن واضح کر دی ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی صورتحال درپیش ہو تو یہ قاضیِ وقت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ موقع کی مناسبت سے اجتہاد کرے۔

آخری بات جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سیکولر قوانین کی بنیاد صرف اور صرف انسانی خواہش پر قائم ہوتی ہے جبکہ اسلام میں انسانی خواہش کی پیروی جیسا کوئی نظری ڈھکوسلہ موجود نہیں۔ یہاں ایمان کی بنیاد پر اخلاقی وجود (تقویٰ) ثابت کرنا پڑتا ہے اور اگر کسی مؤمن میں تقویٰ متاثر ہو جائے تو وہ مؤمن فوری طور پر نِفاق میں گِھر جاتا ہے کیونکہ اسلام کے پیشِ نظر اِسی دنیا کے اعمالِ خیر ہی کے عوض اگلی دنیا بہتر ہوتی ہے، پس نکاح ہو یا طلاق حدود اللہ یعنی خدا کی قائم کردہ اخلاقی اقدار سے سرِ مُو انحراف ایک مؤمن کی دنیا و آخرت تباہ کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆



سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئرؔ کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام و فلسفہ، شعر و اَدب، صحافت و بلاغت، معاشرت و سیاست، نفسیات و روحانیات اور رقص و موسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ چھ کتابوں "عشق کی سائنس"، "تصوف کی ڈکشنری"، "صراطِ دانش"، "سوزِ نہاں"، "قبیلہ نور احمد خیل" اور " Trek to Intellect " کے مصنف ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات و علمی شذرات کے بھی مؤلف و مصنف ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ بھی آپ ہی کی علمی و تحقیقی جہد کا ماحصل ہے۔